ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

وجودیت

محمد ابوذر اسلم

Abstract:

Existentialism, which emerged in the 20th century, is an important aspect of philosophy that became familiar with the passage of time. However, due to atheistic beliefs, it failed to deliver any great news to humanity. Its basis lies in the idea that existence precedes essence.

Key Words: Existentialism, Essence, Philosophy, Rational, Feature, Precedes,

وجودیت یا موجودیت جسے انگریزی میں "Existentialism" کہتے ہیں، بیسویں صدی کے ساتھ ظہور پذیر ہونے والا ایسا ہمہ جہت فلسفہ ہے جو گزرتے وقت کے ساتھ وسعت آشنا تو ہوا لیکن ملحدانہ افکار کی وجہ سے انسانیت کو کوئی بڑی خوشخبری سنانے میں ناکام رہا۔اِس کی اساس اِس نظریے پر ہے کہ جوہر کو وجود پر تقویت حاصل ہے۔ (Existence Precedes Essence) بنیادی طور پر یہ افلاطون(Plato) کے مشہور مقولے "جوہر موجود سے پہلے ہے" جس کے مطابق:

"Essence Precedes Existence (Essence is the primary properties or features of a thing that is required for the thing to be what it is)"

کی نفی ہے۔ اسے "میں سوچتا ہوں، اس لیے میں ہوں" کی ضد بھی کہا جاسکتا ہے۔لہٰذا اس کا مفہوم یہ برآمد ہوتا ہے کہ "میں ہوں، اس لیے میں سوچتا ہوں۔"(I'm therefore I think)

سترھویں صدی میں مادے اور عقل کو انسانی بقا اور ترقی کی بنیاد قرار دیا گیا، جس کی عکاسی رینے ڈیکارٹ(Rene Descartes) اور نیوٹن(Newton) کے افکار سے ہوتی ہے۔فرانسیسی رینے ڈیکارٹ جو بنیادی طور پر ایک ریاضی دان اور مذہبی پیشوا تھا نے نعرہ لگایا کہ "میں سوچتا ہوں اس لیے میں ہوں۔"(I think therefore I'm)، جب کہ نیوٹن نے نظریہ مکانیت پیش کیا۔ نیوٹن اور ڈیکارٹ دونوں مذہب کو ماننے والے تھے اور اس معاملے میں بڑی حد تک روایت پسند تھے، تاہم دونوں کے نزدیک کائنات کو ماپنے کا آلہ عقل تھا۔نیوٹن تو خدا کو ایک ریاضی دان مانتا تھا، یعنی سترھویں صدی عیسوی میں سائنس خدائیت اور عقل خدا بن چکی تھی۔ عقل کی اساس معاشرہ کہلایا۔یوں فرد کی انفرادیت اجتماع میں زم ہونے لگی۔اٹھارھویں صدی میں سائنسی مفروضوں کے ثمرات دوربین، بھاپ سے چلنے والے انجن کی ایجاد اور دھاگہ بنانے کی مشینوں کی صورت میں سامنے آئے وہیں سائنس نے اپنے ہی قائم کردہ مفروضات کی نفی بھی کی جیسے نظامِ شمسی کا مرکز زمین کی بنائے سورج بنا۔سائنسی نظریات کو مزید تقویت ہیگل(Hegel) کے نظریہ عقلیت نے دی۔" Rational is real " سے سائنس کی قطعیت پر مہر ثبت کر دی گئی۔انیسویں صدی تک کارخانوں، موٹر کاروں، ریڈیو جیسی ایجادات سے سائنس کا دائرہ کار مزید وسیع ہوا۔ روزگار کی تلاش میں لوگوں نے گاؤں سے شہر کا رخ کیا۔جس سے صنعتی دور کا آغاز ہوا۔

بیسویں صدی میں مشینوں کے بڑھتے استعمال سے جہاں اِنسانی زندگی آسان اور پر تعیش بنی وہیں اخلاقی انحطاط بھی شدت اختیار کرتا گیا ۔نت نئی ایجادات نے انسان کو ایک ایسی خودکار زندگی کا اسیر بنا دیا، جو مادیت کی اندھی دوڑ کا پیش خیمہ ثابت ہوئی ، جس نے انسان کو بڑی حد تک اخلاقیات سے تہی دست کر دیا۔وہ ہجوم میں رہتے ہوئے تنہائی کا شکار تھا۔خلوص اور خیر خواہی کا جذبہ جو سماجی رشتوں کی اساس ہے، معدوم ہوتا چلا گیا۔جنگِ عظیم اوّل نے انسانی زندگی کی بے

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

بسی، لاچارگی اور الم ناکی میں مزید اضافہ کیا۔ جنگ کی ہولناکی، موت کی کرب ناکی اور انسانی خون کی ارزانی سے سائنسی ترقی کی قلعی کھل چکی تھی۔ نتیجۃً فرد میں روایتی اخلاقی و مذہبی اقدار سے پلو چھڑانے کے ساتھ سائنس سے بیزاری بھی پیدا ہونے لگی۔ ۱۹۲۹ء کی عالمی کساد بازاری اور جنگ عظیم دوّم کے آغاز سے نے فرد کے نظریۂ لایعنیت کو مزید تقویت بخشی۔ پے در پے مصائب کے گرداب میں پھنسا ہوا یورپ کا فرد، خود کو بے سہارا اور بے منزل خیال کرنے لگا تھا۔ اخلاقی اور مذہبی اقدار کا گلا وہ اپنے ہاتھوں گھونٹ چکا تھا۔ ہیروشیما اور ناگاساکی تباہی، اس پر سائنس کا حقیقی چہرہ آشکار کر چکی تھی۔ زمان و مکاں (Time and Space) کے وسیع تر تناظر میں فرد کو اپنا وجود خطرے میں محسوس ہوا تو اُسے ہر چیز بے معنی اور لغو دکھائی دینے لگی۔ چنانچہ وہ ایسے سہارے کی تلاش میں تھا جو نہ صرف اسے موجودہ انتشاری صورتِ حال سے نجات دے بلکہ وجودی سطح پر بھی اس کے اعتراف و اظہار کو ممکن بنائے۔ نظریہ وُجودیت فرد کی اسی ضرورت کے تحت وقوع پذیر ہوا اور سازگار ماحول پا کر اپنی جڑیں مضبوط کرنے لگا۔

درج بالا حالات و واقعات کے تناظر میں وجودیت کے پیروکاروں نے ہیگل (Hegel) کی عقل پرستی کے خلاف نعرۂ احتجاج بلند کیا اور اس امر کو واضح کیا کہ صداقت موضوعی ہے اور عقل کی گرفت میں نہیں آسکتی۔ یوں عقل کی قطعیت کی نفی وجودیت کی اساس بنا۔ غیر جانبداری سے وجودیت کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وجودی فرد نہ صرف عقل کی قطعیت کا منکر ہے بلکہ وہ مذہب اور سائنس کو بھی انسانی مسائل کے حل میں ناکافی تصور کرتا ہے۔ بالفاظِ دیگر عقل، مذہب اور سائنس کی قطعیت کے خلاف ردِ عمل وجودیت ہے۔ ڈاکٹر جمیل اختر مجبی اس کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> "وجودی مفکر یہ باور کرتے ہیں کہ مجرد فکر نے فرد کی انفرادیت کو شدید ضرب لگائی ہے۔ اور اسے اپنے مسائل کی چشم پوشی پر مائل کیا ہے۔ اسی طرح صنعتی اور مشینی زندگی نے انسان کو مشین کا غلام بنا دیا ہے اور وہ مشین کا ایک پرزہ بن کر اپنی تمام تر انسانی خوبیوں سے محروم ہو چکا ہے۔۔۔۔ ہم کہ سکتے ہیں کہ فلسفہ وجودیت اس عہد کے مروجہ فلسفے صنعتی اور مشینی زندگی اور مخصوص سیاسی، سماجی اور اخلاقی صورتِ حال کے خلاف ایک احتجاجی آواز ہے۔"(۱)

جوہر کی وجود پر برتری وجودیت ہے۔ مطلب بنیادی نکتہ انسان کا وجود ہے۔ فرد کا وجود برقرار ہے تو سب کچھ ہے اور وجود نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ قصہ مختصر یہ ہے کہ انسان اپنی بقا کا خود ہی ذمے دار ہے۔ وہ اپنے فیصلوں میں آزاد اور خود مختار ہے۔ قول و فعل میں آزادی سے مراد یہ ہے کہ فرد کے بننے اور بگڑنے کی تمام تر ذمے داری اس کے اپنے اوپر ہے۔ وسیع تر معنوں میں دیکھا جائے تو فرد صرف اپنے اعمال و افعال کا جواب دہ نہیں بلکہ در پردہ پوری انسانیت کے اعمال و افعال کا ذمہ دار ہے۔ وجودی مکتبِ فکر میں ذمے داری کے اس احساس کو کرب کا نام دیا جاتا ہے۔ رابرٹ جی اولسن (Robert G. Olson) کَرب کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> "Subjectively consider anguish is an extreme intense experience with a whole distinctive tone. On the one hand, there is sense of dread, terror and revulsion. On the other hand, there is sense of awe, exhilaration blend, sometimes they merely succeed one another"(2)

مایوسی، بے کسی، دہشت، خوف، تشویش، بیگانگی، نیستی، جبریت، کراہت، لایعنیت، حریت، لغویت، بے خوابی اور تنہائی وغیرہ دیگر وجودی اِصطلاحات ہیں۔ وجودی انسان ہمیشہ معروضیت کی بجائے حقیقت پر ایمان رکھتا ہے۔ وہ ذاتی علم اور تجربے کے سہارے آگے بڑھتا ہے اور ان کے حاصلات کو زندگی کے تضادات کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس طرح وجودی مکتبِ فکر کے ہاں اشتراکی کیفیات کم اور تضادی کیفیات زیادہ دکھائی دیتی ہیں۔ فرد اپنا آپ دوسروں کے حوالے سے حاصل کرتا ہے جو اُس کا تضاد ہوتے ہیں۔ فلسفۂ وجودیت میں ایسے کسی سماجی نظریے کی گنجایش نہیں جو فرد کو ہجوم میں گم کر دے۔ یعنی وجودی مکتبِ فکر سماجی اشتمالیت، فسطائیت اور اشتراکیت کی تمام صورتوں کا انکاری ہے۔ قاضی جاوید حسین وجودیت کے نظریے کی یوں وضاحت کرتے ہیں:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

"۔۔۔وجودیت فرد کی بے مثل اِنفرادیت پر اِصرار کرتے ہوئے فطرت اور طبعی دُنیا کی عمومی خصوصیات کے مقابلے میں اِنسانی وجود کو بنیادی حیثیت دیتی ہے۔ وہ اِنسان کے چند اَساسی موڈز جیسے بوریت، ناسیا، خوف اور تشویش وغیرہ پر خصوصی توجہ دیتی ہے جو اِنسان کی مطلق فطرت اور کائنات سے اُس کے تعلق کے بارے میں سوالات پیدا کرتے ہیں۔۔۔۔۔۔"(۳)

پروفیسر بختیار حسین سید نے وجودیت کو آٹھ عمومی نکات میں بیان کیا ہے، ان نکات میں دوسرا نکتہ بڑا معنی خیز ہے، جو یوں ہے:

"۔۔۔انسانی وجود کی بے مثل اِنفرادیت اور داخلیت پر اِیمان رکھتے ہیں۔ وجود اُن کے نزدیک تصور نہیں، عمل کا منفرد جذبہ ہے۔ سچائی اور نیکی اُن کے ہاں معروضی حقائق ہیں، داخلی تصرفات ہیں۔ اُن کے نزدیک ایک بے مثل فرد کی طرح مصدقہ زندگی بسر کرنا سب سے بڑی قدر ہے جب کہ عام اِنسانوں کی مانند غیر مصدقہ زندگی بسر کرنا سب سے بڑا گناہ ہے۔"(۴)

سورین کرکیگارڈ (Soren Kierkegaard) کو وجودی نظریے کا پیشوا مانا جاتا ہے۔ اس نے ہیگل (Hegel) کے نظریات کی تردید میں فلسفۂ وجودیت کی بنیاد رکھی۔ کرکیگارڈ کے بارے میں یہ بات بھی اَہم ہے کہ اس نے کچھ کتابیں فرضی ناموں سے شائع کیں اور بعد میں خود ہی فرضی ناموں سے اُنھیں تنقید کا نشانہ بنایا۔ شاید کرکیگارڈ کا مطمحِ نظر مخالف نظریات کے تقابلی مطالعے سے صداقت کی بازیافت ہو۔ تاہم کرکیگارڈ کو وجودی افکار میں اولیت کا درجہ حاصل ہے۔ سلطان علی شیدا کے بقول:

"وجودیت ایک ایسی فلسفیانہ تحریک ہے جو انیسویں صدی میں ڈنمارک کے فلسفی کرکیگارڈ کے افکار میں ظہور پذیر ہوئی اور بعد ازاں جرمنی اور فرانس کے دیگر فلسفیوں کے افکار و نگارشات میں ایک واضح نظام فلسفہ بن کر ہمارے سامنے آئی۔"(۵)

کرکیگارڈ موحد قسم کا فلسفی تھا۔ جس کی توجہ کا مرکز اِنسان تھا مگر وہ اس چکر میں خدا کے وجود سے انکاری نہ تھا۔ اُس نے اِنسان اور خدا کے باہمی تعلق کی نئی تعبیر پیش کرنے کی کوشش کی۔ اس کے نزدیک خدا کی ذات مطلق، لامحدود اور لامتناہی ہے۔ اِنسان خدا کی تخلیق ہے اور محدود اور متناہی ہے۔ لہٰذا لامتناہیت اور متناہیت کبھی یکجا نہیں ہو سکتے۔ سورین کرکیگارڈ کے نزدیک خدا کا فہم حاصل کرنے کا راستہ عقلیت کے بجائے ایمان ہے۔ اسی ایمان کی طاقت اذیت میں مبتلا فرد کو خدا کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ خدا سے ایمانی تعلق کا اِثبات ہی فرد کو عرفانِ ذات سے ہم کنار کرتا ہے۔

فرانس کا ڈراما نگار اور ناول نگار جین پال سارتر (Jean Paul Sartre) وجودیت کے سلسلے میں دوسرا اہم نام ہے۔ سارتر وجودی فکر کو زمین سے آسمان تک لے گیا، تاہم سورین کرکیگارڈ کے برعکس سارتر کی فکر سراسر اِلحادی ہے جو اُلوہی تصوّر سے اِنکار پر مبنی ہے۔ سارتر کے مطابق انسان کا وجود ہر چیز پر مقدم ہے۔ کائنات میں انسان کے وجود کا مقصد ہی خود کو منوانا ہے۔ یوں دیکھا جائے تو اِنسان کا اِرادہ بھی بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ وہ وجود میں آنے کے بعد اپنے اِرادے سے حالات پر حاوی ہونے کی کوشش کرتا ہے یعنی خود کو منوانا ہی انسان کا مقصد ہے۔ ولیم بیرٹ (Willium Barrett) سارتر کی افکار کا تجزیہ ان الفاظ میں کرتا ہے۔

"God is dead, and no longer guarantees to this passionate and principled atheist that vast structure essence, the world, to which his freedom must give assent. As a modern man, Sartre remain in that anguish of nothingness. In which Descartes floated before the miraculous light of God shown to lead him out of it. For Sartre there no unalterable structure of essences or value given prior to man's own existence."(6)

تصورِ اُلوہیت کی نفی کے پیچھے سارتر کا یہ نظریہ ہے کہ چونکہ اِنسان کا وجود جوہر پر مقدم ہے اس لیے اس کے کردار اور اِمکانات سے کوئی دوسرا آگاہ نہیں ہو سکتا۔ اِنسان اوّل سے آخر تک آزاد ہے اور جو چاہے کر سکتا ہے۔ یعنی سارتر کے ہاں تقدیر نام کی کوئی چیز نہیں اور اِنسان اپنے اعمال و افعال کے ذریعے مستقبل کی راہیں خود متعین کرتا ہے۔ الوہیت کے اثبات کا مطلب یہ ہوگا کہ خدا، کسی فرد کے امکانات سے پہلے ہی آگاہ ہے اور یہ امر انسان کی آزادی کی نفی کی دلیل ہوگی۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

وحدانیت کے انکار سے انسان اپنے ارادوں اور چیزوں کے انتخاب میں آزاد تو ہو جاتا ہے لیکن خارجی راہنمائی سے محروم ہو کر مایوسی و ناامیدی کا شکار بھی ہوتا ہے۔ تاہم یہ چیز اسے پابہ زنجیر بھی کرتی ہے کہ نتائج کی ذمے داری بھی اُسی کے سر ہے۔

ژاں پال سارتر کا نظریۂ شعور بھی قابل توجہ ہے۔ جس کے مطابق شعور ایک الگ حقیقت ہے جو فرد سے جدائی اختیار کر سکتا ہے۔ جب شعور ماضی کا حصہ بن کر پیچھے رہ جاتا ہے تو فرد مستقبل کی حدود میں داخل ہوتا ہے۔ یعنی مستقبل کا تعین ماضی نہیں کرتا بلکہ ماضی سے کنارہ گیر ہوئے بغیر مستقبل کی جانب نہیں بڑھا جا سکتا۔ یوں ماضی کو پیچھے چھوڑ کر فرد اپنی آزادی کا اعلان کرتے ہوئے مستقبل میں داخل ہوتا ہے۔ تاہم اُس آزادی کے راستے میں موت حدِ فاصل ہے جو فرد کو پھر سے ماضی کا حصہ بنا دیتی ہے۔ یہاں یہ امر بنیادی اہمیت کا حامل ہے کہ آزادی کا شعور انسان کے لیے دہشت کا باعث بھی بنتا ہے اور یہ دہشت اذیت پیدا کرتی ہے۔

فرانسیسی ناول نگار البرٹ کامیو (Albert Camus) نے ژاں پال سارتر کے نقطۂ نظر کہ دنیا "لغو" ہے کو بنیاد بنا کر وجودیت کی نئی عمارت کھڑی کرنے کی کوشش کی۔ کامیو کے نظریے کے مطابق کائنات میں موجود ہر چیز، یہاں تک کہ خود انسان بھی لغو اور بے معنی ہے۔ زندگی لغو اور بے مقصد عمل ہے۔ زندگی اور کائنات کے کوئی معنی نہیں جنھیں دریافت کیا جائے۔ اِن کی پہچان وہی ہے جو انسان انھیں دے دے۔ اِنسان کے علاوہ کوئی ذات نہیں جو اِنھیں مفہوم دے سکے۔ ہر چیز بے معنی ہے اور بے معنویت کے پیچھے بھاگ رہی ہے۔ نتیجتاً انسان کائنات کی لغویت میں بے معنی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے۔ کامیو کا کہنا ہے کہ جب انسان میں لغویت کا شعور پختگی کی حدوں کو پہنچتا ہے تو خودکشی کے جذبات سر ابھارتے ہیں، تاہم یہ لغویت کے شعور کا مناسب حل نہیں۔ خودکشی دراصل لغویت کا مقابلہ کرنے کی یک طرفہ کارروائی ہے۔ جو اِنسانی وقار کے خلاف ہے۔ لہٰذا لغویت کا بہترین مقابلہ یہ ہے کہ انسان مردانہ وار حالات کا سامنا کرے اور زندگی کی آزادی کو ہر صورت برقرار رکھے۔

کامیو کے نظریۂ وجودیت کی مستحسن صورت یہ ہے کہ وہ اِنسان کو اِستحصالی قوتوں کے خلاف سینہ سپر ہونے پر آمادہ کرتا ہے۔ وہ ایک ایسے سماج کی تشکیل چاہتا ہے جس کا بنیادی اصول عدل و انصاف کا راج ہو، تاکہ مصیبت زدہ انسانیت راحت سے ہم کنار ہو سکے۔

نظریۂ وجودیت کے سلسلے میں مارٹن ہائیڈیگر (Martin Heidegger)، فریڈرک نطشے (Friedrich Nietzsche)، جبرئیل مارسل (Gabriel Marcel)، کارل جیسپر (Karl Jaspers)، کولن ولسن (Colin Wilson) اور کافکا (Kafka) وغیرہ کے نظریات کا مطالعہ بھی کیا جا سکتا ہے، تاہم اِن دانش وروں کے افکار بھی کم و بیش وہی ہیں جن کو کرکیگارڈ، سارتر اور کامیو نے وجودیت کی بنیاد بنایا۔

حوالہ جات و حواشی

(۱) جمیل اختر محبی، ڈاکٹر۔ فلسفہ وجودیت اور جدید اردو افسانہ۔ دہلی: ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، ۲۰۰۲ ص ۲۱

(2) Olson, Robert G. An Inriduction to Existentialism. New York: Dover Publications.2nd ed.,2017, P,30

(۳) جاوید حسین، قاضی۔ وجودیت۔ لاہور: مکتبہ میری لائبریری، ۱۹۷۳ء، ص ۱۶

(۴) ایضاً، ص ۱۹

(۵) سلطان علی شیدا۔ وجودیت پر ایک تنقیدی نظر۔ لکھنؤ: اترپردیش اُردو اکادمی، ۱۹۷۸ء، ص ۸

(6) Willium Barrett. Irrational Man (A study in Existentialism Philosophy). New York: Doubleday Anchor Books, 1962, P,243,244